سعید ملک: جماعت اسلامی کا ایک گم شدہ باب

دوسری و آخری قسط

سید محمد ذوالقرنین

سعید ملک کا جماعت اسلامی سے اخراج کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ سعید ملک نے ملک نصراللہ خان عزیز کے خلاف مالی خرد برد کے جو سنگین الزامات لگائے تھے انہی کا جائزہ لینے کے لئے کمیٹی بنی تھی اور اس کمیٹی کی رپورٹ ہی کے باعث جماعت اسلامی اپنی زندگی کے بدترین بحران سے دوچار ہوئی تھی جس کے نتیجے میں جماعت اسلامی سے ان بزرگوں کو نکلنا پڑا جو مولانا مودودی کے فلسفہ سیاست اور ان کی تعبیر دین سے بنیادی اختلاف رکھتے تھے۔ ان حضرات کا موقف یہ تھا کہ جماعت اپنی اصل منزل سے بھٹک گئی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جماعت کا سیاست کے خارزار میں گھسیٹ لانے کی وجہ سے اسلام کو ایک سیاسی دین بنا دیا حالانکہ اسلام میں دینی سیاست ہے اور اسلام سیاسی دین نہیں[1]۔

جہاں تک سعید ملک کے تصورات اور افکار کا تعلق ہے وہ مولانا مودودی سے ڈھکے چھپے نہ تھے لیکن جماعت کی چار دیواری کے اندر مولانا مودودی ہی کے تصورات اور افکار چل سکتے تھے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اپنی رائے کی تشہیر کرے اور مولانا کے فکر کو چیلنج کرے۔ جماعت اسلامی کی تشکیل مولانا مودودی نے اپنے مقاصد کی برآوری کے لئے کی تھی اور جماعت ان کے تصورات کی آئینہ دار تھی۔ اس سلسلے میں مولانا مودودی کسی بھی شخص سے کوئی مفاہمت یا مصالحت کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ انہیں اپنی اس تحریک کے لئے ایسے مددگار یا رفیق کار مطلوب نہیں تھے جو ان پر تنقید کریں یا ان پر الزامات عائد کریں۔ قیام جماعت سے قبل اپنے ایک خط میں چوہدری نیاز علی کو تحریر فرماتے ہیں کہ ایسے مددگاروں سے' میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو سامان اس شرط کے ساتھ فراہم کریں کہ نقشہ عمارت اور تعمیر عمارت میں ان کی رائے فیصلہ کن ہو گی۔[2]

جماعت اسلامی مولانا مودودی کے فکر پر اٹھی تھی اور جماعت کا پلیٹ فارم کسی دوسرے شخص کے نظریات کی اشاعت کے لئے نہیں تھا یہ دوسری بات ہے کہ اب بعض اراکین جماعت مولانا کی تعبیر دیں اور فلسفہ سیاست سے منحرف ہو گئے تھے اور وہ مولانا کی تعبیر دین اور فلسفہ سیاست کو مخلصانہ طور پر دین سے انحراف سمجھنے لگے تھے، ان حضرات میں صرف ایک سعید ملک ہی نہ تھے بلکہ کئی جلیل القدر حضرات تھے جن کا ذکر اس مضمون کی پہلی قسط میں تفصیل سے ہو چکا ہے، ان کے علاوہ ایک شخصیت مولانا وحید الدین خان کی بھی تھی جو بعد میں جماعت اسلامی سے الگ ہوئے، وہ بلا شبہ مولانا مودودی کی تحریروں ہی سے متاثر ہو کر جماعت اسلامی کے بڑے سرگرم رکن بن گئے تھے اور انہوں نے ہندوستان میں جماعت اسلامی کی تشہیر کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دیں تھیں۔ پندرہ سال تک وہ جماعت اسلامی کی خدمت میں منہمک رہے اور ہندوستان سے شائع ہونے والے رسالہ "زندگی" کے ایڈیٹر بھی رہے لیکن ایک دن ان کو احساس ہوا، جو بعد میں یقین میں بدل گیا کہ قرآن میں اسلام کی تصویر اس سے مختلف نظر آتی ہے جو میں نے جماعت اسلامی کے لٹریچر میں اب تک دیکھی تھی[۳] اور جب وحید الدین خان نے اپنی اصلاح فکر کے لئے مولانا مودودی سے خط و کتابت کی تو مولانا مودودی نے ان کے اعتراضات اور دلائل کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے یہ تحریر فرمایا میرا خیال ہے کہ آپ کا مطالعہ سیاست ناقص ہے اور آپ نے غلط نتائج نکالے ہیں اور میرے مسلک کو بھی آپ پوری طرح نہیں سمجھے ہیں بلکہ اس کی ایک غلط تعبیر آپ نے کر لی ہے۔ لیکن غضب یہ ہے کہ اس مضمون میں آپ اپنے آپ کو بہت اونچے مقام پر فائز سمجھ کر کلام فرما رہے ہیں اور آپ کا انداز کلام یہ ہے کہ کہ جو شخص آپ کے نقطہ نظر کو قبول نہیں کرتا وہ جاہل و نادان بھی ہے اور ضال و مضل بھی۔ اب میری مشکل یہ ہے کہ علم کی کمی کے ساتھ جو شخص اس طرح کے زعم میں مبتلا ہو اس سے مخاطب ہونے کی مجھے عادت نہیں[۴]۔

غرض یہ کہ خط و کتابت بالآخر وحید الدین خان کی علیحدگی پر منتج ہوئی۔ جماعت اسلامی سے جدا ہو کر انہوں نے مولانا مودودی کے تفہیم☆ دین کے رد میں ایک کتاب لکھی، جس کا عنوان ہے تعبیر کی غلطی، (جماعت اسلامی کا جائزہ) اور اس کتاب کے شروع میں مندرجہ ذیل دعا تحریر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کتاب کی اشاعت میرے اوپر کتنی سخت ہے اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے شائع ہونے کے بعد' میں کسی ایسی جگہ چھپ جاؤں جہاں کوئی شخص مجھے نہ دیکھے اور اسی حال میں مرجاؤں[۵]۔

مولانا مودودی نے جو رسالہ ترجمان القرآن شائع کرنا شروع کیا تھا جس کی تحریروں نے بعض لوگوں کو مولانا مودودی کا اسیر کر لیا تھا اور جس کو وہ حضرات آخری صداقت سمجھتے تھے۔ یہ رسالہ انہوں نے اپنے شوق علم کی تسکین کے لئے نہیں نکالا تھا بلکہ اس کی غرض یہ تھی کہ ان کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ایسے پڑھے لکھے حضرات کی ضرورت تھی جو ان کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ اپنے ایک خط میں مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ اس رسالہ کی اشاعت محض اس غرض سے نہ تھی کہ میں ایک رسالہ نکالنا چاہتا تھا' ..... بلکہ رسالہ کے ذریعہ لوگوں میں اپنے خیالات پھیلاؤں جس کے نتیجہ میں ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جن کا تخیل اور نصب العین میرے تخیل اور نصب العین سے متحد ہو تو پھر ان کو ایک مرکز کی طرف دعوت دی جائے اور اس نظام کو وجود میں لایا جائے جسے میں قائم کرنا چاہتا ہوں' اسی مقصد کے تحت میں نے ترجمان القرآن شائع کرنا شروع کیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ میں نے رسالہ جاری نہیں کیا تھا بلکہ در اصل اپنے کام کی مچھلیاں پکڑنے کے لئے ایک جال پھیلایا تھا[۶]۔

سعید ملک بلاشبہ مولانا سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کی پر کشش تحریروں سے متاثر بھی تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ جوں جوں ان کا علم' تجربات اور مطالعہ بڑھا اور ان کے دینی اور سیاسی فہم میں پختگی اور بالیدگی آنے لگی تو ان کے مولانا مودودی سے نظریاتی اختلافات بڑھتے ہی چلے گئے۔ پاکستان کے قیام کے بعد سعید ملک نے دیکھا کہ ملک میں جتنی بھی سیاسی اور دینی جماعتیں ہیں وہ عوام الناس کو گمراہ کرنے اور لوٹنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ کھوکھلے نعروں سے لوگوں کو بہکانے کے درپے ہیں' خدمت خلق کے تصور اور دین کے مخلصانہ جذبات سے عاری ہیں۔ قائدین اور ان کی جماعتیں اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کے حصول میں سرگرم عمل ہیں۔ اسلام کا نعرہ لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے' اس طرح عوام الناس کی جہالت اور غربت کا فائدہ اٹھا کر ملک کی دولت کو دونوں

ہاتھوں سے لوٹا جا رہا ہے۔ سعید ملک کی نگاہ میں قوم کی قیادت ایسے طبقے کے ہاتھ میں منتقل ہو چکی تھی جن کے زندگی سے متعلق کوئی نظریات تھے اور نہ وہ اعلیٰ اخلاقی قدروں سے کوئی واسطہ رکھتا تھا..... نا اہلی اور بد دیانتی کی بنا پر آئے دن وزارتیں بر طرف کی جاتی تھیں اور اس طرح ملک اس وزارتی استحکام سے محروم رہا جو تعمیر و ترقی کے کسی ہمہ گیر پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری ہے[۷]۔ یہ تمام صورت حال سعید ملک کے لئے پریشانی کا باعث تھی۔ وہ ملک کو ترقی یافتہ اور خوشحال دیکھنے کے متمنی تھے اور تمام فرسودہ نظام کو بدل دینے کے خواہش مند تھے۔ وہ اسلامی انقلاب کے داعی تھے لیکن اسلامی انقلاب ان کے خیال میں اس وقت تک نہیں آ سکتا تھا جب تک کہ اسلامی فکر معاشرہ میں رچ بس نہ جائے۔ وہ مولانا مودودی کی اس بات سے تو اتفاق کرتے تھے کہ مسلم لیگ کی قیادت کرپٹ اور گمراہ ہے لیکن انقلاب فکر سے قبل انتخابات کے ذریعہ بر سر اقتدار آنے کی کوشش کو جماعت کے لئے تباہ کن سمجھتے تھے۔ فکر کا یہی تصادم بالآخر جماعت سے ان کی علیحدگی کا باعث بنا۔

مولانا مودودی کا خیال تھا کہ اسلامی آئین بن جانے سے اسلام آ جائے گا جبکہ سعید ملک کا یہ موقف تھا کہ آئین کے آ جانے سے کوئی نظام جنم نہیں لیتا۔ سعید ملک نے تاریخ کی شہادتوں اور منطقی استدلال سے مولانا مودودی پر یہ واضح کیا کہ دنیا میں کبھی بھی کسی نظام کی ابتدا تدوین دستور سے نہیں ہوئی، غرضیکہ یہ نظریاتی اختلاف آہستہ آہستہ بڑھتا ہی رہا اور اس میں ذاتیات کا عنصر بھی داخل ہو گیا۔ سعید ملک نے جب یہ دیکھا کہ سیاست میں آنے کی وجہ سے جماعت کے اندر دینی قدریں بھی کھوکھلی ہونے لگیں اور نیکی، پرہیزگاری و سچائی کو دیمک کھانے لگی تو انہوں نے ان خرابیوں کی نشاندہی اور ان کا سدباب کرنے کے لئے اپنے موقف کو ایک کتابی شکل دینے کا فیصلہ کیا۔ جونہی جماعت کے مقتدر حضرات کو اس بات کا علم ہوا تو مرکز میں ہلچل پڑ گئی اور خفیہ طور پر یہ کوشش ہونے لگی کہ سعید ملک کی یہ کتاب کسی صورت میں بھی شائع نہ ہونے پائے۔ للٰذا فیصلہ ہوا کہ نہ کتاب چھپے اور نہ کوئی جماعت کا رکن اس کو پڑھ سکے۔ سعید ملک بھی ارادے کے پکے انسان تھے۔ انہوں نے اپنا مسودہ چھپنے کے لئے ایک پبلشر کو دے دیا لیکن وہ مسودہ پبلشر کے یہاں سے چوری ہو گیا جس کی وجہ سے سعید ملک بہت پریشان ہوئے کیونکہ ان کے پاس اس مسودہ کی کوئی دوسری نقل موجود نہ تھی۔ مسودہ کی اس گمشدگی کے بارے میں ارشاد احمد حقانی فرماتے ہیں کہ جب وہ مسودہ پبلشر کے پاس چھپنے

کو چلا گیا تو جماعت نے کسی ذریعہ سے وہ کتاب وہاں سے اغوا کر لی۔ وہ لوگ اسے مرکز جماعت میں لے گئے اس کو جا کر پڑھا اور خائف ہو گئے لیکن ملک صاحب نے پبلشر سے کہا کہ میں تمہیں قانونی نوٹس دے دوں گا ورنہ میرا مسودہ لاؤ چنانچہ وہ ان کے پاس گیا ان سے لڑ جھگڑ کر وہ مسودہ واپس لایا اور وہ کتاب چھپ گئی[۸]۔

مسودہ کی اس گمشدگی کے بارے میں سعید ملک نے خود جو روداد سنائی تھی اس میں کہا تھا کہ اصل میں "کوثر نیازی نے کتاب کا مسودہ چرایا تھا"[۹] چونکہ ان کے پاس مسودہ کی اور کوئی نقل بھی نہ تھی لہٰذا وہ سخت پریشان ہوئے اور اس سلسلہ میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی اخلاقی مدد حاصل کی۔ مولانا اصلاحی نے مسودہ کے سلسلہ میں جماعت کی شوریٰ کے ایک اجلاس میں یہ مسئلہ اٹھایا اور کہا کہ اگر کل کو پولیس کتاب کی تلاش میں چھاپہ مارتی ہے اور کتاب کا مسودہ مرکز سے برآمد ہوتا ہے یا گھر سے تو پھر جماعت کی ساکھ کا کیا حشر ہو گا۔ اس ملامت کے بعد مسودہ پبلشر کو واپس کر دیا گیا۔ کہتے ہیں اس کاروائی میں میاں صاحب کی اشیر باد حاصل تھی۔ اس کتاب کو چھپنے میں ایک سال لگ گیا جس کی وجہ اس کی گمشدگی اور دستیابی ہے اور جس کی دلچسپ اور افسوسناک روداد اسی کتاب میں موجود ہے۔

اس کتاب کا عنوان 'پاکستان کا مستقبل' ☆☆ ہے۔ یہ کتاب اگست ۱۹۵۷ء میں چھپی تھی' ضخامت کے اعتبار سے یہ کتاب بہت چھوٹی ہے مگر علمی اور فکری اعتبار سے بہت وزنی اور گرانقدر کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اس وجہ سے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے کہ جماعت اسلامی پر پہلی مرتبہ کسی واقف حال نے اس کے سیاسی اور دینی فلسفہ کو حقائق' منطق اور واقعات کے تناظر میں پرکھا تھا۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سعید ملک نے جماعت کے فلسفہ دین و سیاست کو اس کی تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ ایسے پر کشش انداز استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے جو قاری کے دل و دماغ میں اتر جاتا ہے اور اس کو حقائق کی دنیا میں لے جا کر سوچنے کے لئے مجبور کر دیتا ہے۔ اس کتاب میں سعید ملک نے پاکستان کی تحریک کا پس منظر اور پاکستان کے قیام کے بعد' سیاسی اور دینی جماعتوں نے جو جو گل کھلائے ہیں اور جو جو طریقے عوام کو گمراہ کرنے اور اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کی حفاظت کے لئے اپنائے ہیں ان کا نقشہ پیش کیا ہے۔

جو حضرات سعید ملک کے افکار اور ان کی شخصیت سے آگاہی رکھتے ہیں وہ اس کتاب کو پڑھ کر بلاشبہ یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں جماعت اسلامی اور اس کی قیادت کو بالخصوص، مسلم لیگ اور اس کے قائدین و دیگر مذہبی رہنماؤں کو بالعموم اپنی تنقید کا مرکز بنایا ہے۔ مولانا مودودی کے سیاسی فکر اور فلسفہ کی کجی اور خامیوں اور اس کے نتیجہ میں جماعت کے اندر رونما ہونے والی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے۔ وہ ہر جگہ دلائل اور تاریخی مثالوں سے اپنے موقف کی سچائی اور مضبوطی کو پیش کرتے ہیں۔ کسی مقام پر جذبات کو دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتے، ہر جگہ دلیل اور منطق کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ کتاب میں نہ تو کسی زندہ شخصیت کا تذکرہ ہے اور نہ ہی مولانا مودودی کا نام اور نہ ہی جماعت اسلامی کا ذکر ہے، لیکن روئے سخن مولانا مودودی ہی کی طرف ہے۔

کتاب میں ان فکری تنازعات کو بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے جو مولانا مودودی اور سعید ملک کے مابین پرورش پا رہے تھے۔ وہ اس بات کے سخت مخالف تھے کہ جماعت، اسلامی شعور بیدار کئے بغیر پاکستان کی سیاست میں کود جائے اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھے ..... "ہم ان حضرات کے زاویہ نگاہ اور انداز فکر کو بالکل غلط سمجھتے ہیں جو قوم کو خوشنما خواب دکھا کر اور بے حقیقت امیدیں دلا کر زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ قومیں کبھی خام خیالیوں اور ہوائی قلعوں کی تعمیر کے ذریعہ ترقی نہیں کر سکیں ..... کسی جماعت یا تحریک کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ بیک وقت فکری انقلاب کا عظیم الشان اور وقت طلب کام کرنے کے علاوہ عملی سیاسیات کے جھمیلوں میں بھی الجھتی چلی جائے۔ اول الذکر کام کے لئے ذہنی و فکری قوتوں کو مجتمع کر کے اس قدر یک سوئی کے ساتھ علمی کاوشوں پر توجہ مرکوز کرنا ہوتا ہے کہ معمولی سے معمولی صرف توجہ بھی برداشت نہیں ہو سکتی۔ تحریک کے قائدین کا یہ فرض ہوتا ہے اور اس فرض کی اچھے طریقہ سے ادائیگی پر تحریک کے مستقبل کا انحصار بھی ہے کہ وہ ماحول سے مناسب تعلق قائم رکھتے ہوئے تحریک کے مرحلے سے مناسبت رکھنے والے اصل کام کو معمولی سے معمولی گزند بھی نہ پہنچنے دیں۔ یہ مرحلہ در اصل فکر کے دائرے میں بیک وقت تخریب و تعمیر کا مرحلہ ہوتا ہے اور اس میں صبر و تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اپنے اعلان کردہ اصولوں کے ساتھ مخلصانہ اور بے غرضانہ وابستگی ثابت کرنے کے سلسلہ میں ایک بہت بڑے امتحان کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب اس تحریک کے وابستگان اپنی علمی کاوشوں کے ذریعے عوام میں تھوڑے بہت متعارف ہو جاتے ہیں اور

انہیں کچھ مادی وسائل بھی مہیا ہو جاتے ہیں تو سیاسی میدان کی جاذبیتیں ان کے استقلال و تحمل کو آزمائش میں ڈال دیتی ہیں۔ اگر اس موقع پر تحریک کے تقاضے پیش نظر رہیں اور اپنے پیش کردہ نظام کا قیام ہی اصل مقصود ہو تو ایک خاص مرحلے تک (جس کے تعین کے سلسلے میں ہم اپنے خیالات بعد میں عرض کریں گے) یہ تحریک عملی سیاست سے، جس کا مطلب دوسری لفظوں میں کشمکش اقتدار ہوتا ہے، الگ رہتی ہے، لیکن اگر اپنے اصولوں سے وابستگی کی شدت اقتدار کی حرص پر غالب نہ آ سکے تو عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ تحریک کو اس کے اصولوں کے نام پر ہی سیاسیات میں جھونک دیا جاتا ہے۔ اس انحراف کے لئے جواز تلاش کرنا چنداں مشکل نہیں ہوتا کہ وہ کسی ایک مسئلہ کو ملک و قوم اور تحریک کے مستقبل کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل قرار دے کر میدان سیاست میں کود پڑیں اور اپنے ساتھ وابستہ افراد کو یہ باور کرا دیں کہ فی الحقیقت اس موقعہ پر الگ رہنا فلاں فلاں خطرات کے مترادف ہے اور اس سے خود اس تحریک کے مستقبل اور اس نظام کے امکانات ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے جسے لے کر ہم چل رہے ہیں۔ تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں ہیں کہ جب کوئی اصولی تحریک ایسے حیلے بہانوں کی آڑ میں قبل از وقت سیاسیات میں کود پڑتی ہے تو وہ ملکی سیاسیات میں تو اپنے ایک خاص مزاج کی وجہ سے کوئی موثر کردار ادا نہیں کر سکتی البتہ اپنی تحریک کی حیثیت کھو بیٹھتی ہے، اگرچہ کچھ عرصہ تک تو قائدین تحریک اپنے متبعین کو یہ کہہ کر تسلی دیتے رہتے ہیں کہ یہ ایک عارضی سا دور ہے اور ہم اپنے سابقہ مقام پر پھر واپس آ جائیں گے، لیکن تاریخ میں آج تک ایسی "واپسی" کی ایک مثل بھی نہیں ملتی۔

در اصل یہ حادثہ کسی تحریک یا جماعت کو اس وقت پیش آتا ہے جب اس کے قائدین کے دماغوں پر درج ذیل تینوں یا ان میں سے کوئی ایک خیال مسلط ہو جاتا ہے:

۱۔ یا تو وہ عوام میں تھوڑا سا تعارف حاصل کر کے خواہش اقتدار کی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۲۔ یا اپنی نادانی سے ان کے ذہنوں پر یہ خیال مسلط ہو جاتا ہے کہ وہ جس نظام کے اصولوں کو پیش کر رہے ہیں اسے اقتدار کی مسند حاصل کر کے، خود ہی نافذ کریں گے۔

۳۔ اور یا وہ غلطی سے قبل از وقت یہ سمجھ لیتے ہیں کہ تطہیر و تعمیر فکر کا کام مناسب حد

تک ہو چکا ہے۔

انحراف کا باعث خواہ اول الذکر دو وجوہات میں سے ایک ہو یا دونوں کی آمیزش، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے بعد قیام نظام کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔

ایک ناپسندیدہ اور استحصالی نظام میں رہتے ہوئے اگر کوئی نظریاتی جماعت اس نظام بد کی سیاسی قدروں کو عارضی طور پر اپناتی ہے اور انتخابات جیسے روح فرسا مرحلوں میں سے داخل ہو کر نکلتی ہے تو بلاشبہ وہ اپنی اعلیٰ اخلاقی اور دینی حیثیت کو اپنے ہی ہاتھوں سے برباد کر دیتی ہے۔ "آپ کو انتخابات کے نقطہ نظر سے اپنی پالیسیوں کو مرتب کرنا ہو گا۔ آپ کو اکثر اوقات اصولوں کی روشنی میں کئے ہوئے فیصلوں کو عوامی رجحانات سے مطابقت اختیار کرنے کی خاطر بدلنا پڑیگا۔ حتیٰ کہ آپ کی ذہنیت آہستہ آہستہ اس قدر مسخ ہو جائے گی کہ آپ انتخابات میں اچھے نتائج پیدا کرنے کے لئے ان جماعتوں اور سیاسی عناصر سے گٹھ جوڑ کریں گے، جن کے پروگرام اور آپ کے اعلان کردہ نظریات و اقدار کے درمیاں سرے سے کوئی قدر مشترک موجود نہ ہو گی۔ غرضیکہ نئی پالیسی کے تقاضے آپ کو ایسی ایسی پر پیچ وادیوں میں لئے پھریں گے جہاں سے اصل منزل کی طرف رخ کرنا تو کجا، سمت منزل کا تعین کرنا بھی آپ کے لئے مشکل ہو جائے گا۔

اگر کوئی شخص حقائق سے آنکھیں بند نہ کرے تو اسے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس ملک میں پارلیمانی جمہوریت رائج ہو وہاں سیاسی جماعتوں کی پالیسیاں عوام کے رجحانات کے تابع ہوتی ہیں جو جماعت اجتماعی زندگی کے نقشے کو ہی بدل دینے کی خواہش رکھتی ہو اس کے لئے اپنے اصولوں کے مطابق اصلاح و تطہیر فکر کے بغیر انتخابات میں حصہ لینا مضحکہ خیز بات ہے۔ اگر وہ جماعت عوامی تائید حاصل کرنے کی خاطر، جس کے بغیر ووٹ نہیں مل سکتے عوام کی خواہشات کے پیچھے چلے گی تو اپنے اصولوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گی اور اگر عوام کو اپنے نظریات کے مطابق چلانے کی کوشش کرے گی تو انقلاب فکر کے بغیر اس کام میں اس کا کامیاب ہونا ناممکنات میں سے ہو گا ..... اور انقلاب فکر سے قبل انتخابات کے ذریعہ بر سر اقتدار آنے کی کوشش کے دو ہی نتائج برآمد ہوں گے۔ یا تو وہ تحریک قائم شدہ قدروں سے بتدریج مصالحت کر کے اپنی قدریں کھو بیٹھے گی اور یا پھر متواتر شکستیں کھا کھا کر اس کے کارکن اور مویدین مایوسی کے عالم میں گوشہ تنہائی اختیار کر لیں گے۔ آج تک ساری دنیا کی تاریخ

میں ہمیں ایک بھی مثل ایسی نہیں ملتی کہ مخصوص نظریات رکھنے والی کوئی جماعت اپنے نظریات پر قائم رہتے ہوئے انقلاب فکر کے بغیر بر سر اقتدار آ گئی ہو"۔

سعید ملک کو مولانا مودودی کے اس موقف سے بھی شدید اختلاف تھا کہ ملک میں اسلامی دستور کی تدوین سے اسلامی نظام آ جائے گا۔ دنیا میں کسی نظام کی ابتدا دستور سے نہیں ہوئی' دستور تشکیل نظام کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا ہے۔ اپنے موقف کی تائید میں سعید ملک لکھتے ہیں کہ "دنیا میں آج تک کسی نظام کے قیام کی ابتدا تدوین دستور سے نہیں ہوئی' اور ایسا دستور آج تک مرتب نہیں کیا گیا جو حکمرانوں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کسی خاص نظام کو برپا کرنے پر مجبور کر دے" سعید ملک کا یہ استدلال منطقی اور تاریخی شواہد پر مبنی تھا۔ انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں اسلامی انقلاب' اشتراکی انقلاب اور برطانوی انقلابوں کی مثالیں پیش کیں۔ حضور ﷺ نے اسلامی نظام کے قیام کی ابتدا دستور سازی یا نظم حکومت کا ڈھانچہ مرتب کرنے سے نہیں بلکہ اسلام کے اخلاقی' معاشی اور معاشرتی اصولوں کو نافذ کرنے سے کی تھی اور جوں جوں حالات تقاضا کرتے گئے' حکومت کا ڈھانچہ بھی آہستہ آہستہ وہی شکل اختیار کرتا چلا گیا"۔ دنیا کے مختلف انقلابوں کے مطالعہ سے سعید ملک نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ "فکری قیادت پہلے بدلتی ہے اور سیاسی قیادت اس کے بعد' ہم ان حضرات کے متعلق سمجھنے سے قاصر ہیں جو پہلے سیاسی قوت حاصل کر کے مسند حکومت پر جلوہ افروز ہو کر بعد میں انقلاب فکر کی مہم سر کرنا چاہتے ہیں یعنی ان کے خیال میں معلول کا ظہور پہلے ہو گا اور علت بعد میں آئے گی"۔

سعید ملک ارکان جماعت کی اکثریت کا حال دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ جماعت قطعی طور سے گمراہ ہو چکی ہے تربیت اور تزکیہ نفس کا اولاً جماعت کے سامنے جو مقصد تھا اور جس کے نتیجہ میں سیرت و کردار کی تعمیر ہونی تھی اور پھر ایک اسلامی انقلاب برپا کرنا تھا' جماعت اس منزل سے منحرف ہو گئی ہے۔ الیکشن اور سیاست بازی میں الجھ کر اصل مقصد نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ جماعت کے پاس اتنا بھی Human Material پیدا نہیں ہو سکا کہ وہ ایک چھوٹے سے شہر کی میونسپل کمیٹی کے نظام کو بھی چلا سکے۔

سعید ملک سچائی اور حق کا ساتھ دینے کے لئے کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے مایوسی' افسوس اور رنج کے عالم میں مجلس شوریٰ کی مجالس میں مولانا مودودی سے اپنے اختلافات اور

اپنے تصورات کو کھل کر بیان کیا۔ ایک موقعہ پر جبکہ انہوں نے مولانا کی زندگی میں فکر و عمل کے تضادات دیکھے تو کہا کہ جو شخص جتنا قریب آپ سے ہوا وہ اتنا ہی دور اسلام سے ہو گیا[۱۳]۔

سعید ملک کا خیال تھا کہ ہر انسان کے چہرے ہوتے ہیں، مودودی صاحب کے بھی کئی چہرے تھے۔ مولانا مودودی کی خود پسندی کا یہ عالم تھا کہ ان کی زبان سے کسی کے بارے میں appreciation کے الفاظ نہیں سنے حتیٰ کہ علامہ اقبال کا کبھی ذکر تک نہ ہوا۔ مولانا مودودی کے اندر ایک امنگ تھی، دنیا میں آگے بڑھنے کی، سیاسی طور پر ابھرنے کی۔ انہی امنگوں کے تحت وہ نظام دکن کی نظروں میں آنے کے لئے حیدر آباد دکن تشریف لے گئے تھے، جہاں ان کے بڑے بھائی ابوالخیر مودودی ان کی کفالت کرتے تھے۔ حیدر آباد دکن ہی سے انہوں نے رسالہ ترجمان القرآن نکالا تھا۔ بعد میں مولانا حسرت موہانی کے ساتھ بھی رابطہ کیا۔ حسرت موہانی ایک قلندرانہ زندگی کے حامل تھے لیکن تھوڑا سا ان کے اندر جھانکا تو ڈر گئے۔ بعد میں چوہدری نیاز علی سے رابطہ ہوا اور پھر وہ سیاسی دھارے میں آ گئے۔

مولانا مودودی پر مولانا ظفر احمد انصاری کا بڑا اثر تھا اور مولانا کے سنہری خوابوں کو شیشے میں اتارنے والے یہی بزرگ تھے، سعید ملک کی نظر میں، مولانا ظفر احمد انصاری ہی تھے جو جماعت اسلامی کے رکن تو نہ تھے مگر مولانا مودودی سے ان کا مستقل رابطہ رہتا تھا، وہی مودودی صاحب کو گمراہ کرتے تھے، ان کو یہ تاثر دیتے تھے کہ آپ بر سر اقتدار آ جائیں گے۔ سنٹرل سیکریٹریٹ میں اور دوسرے سیاسی حلقوں میں بہت لوگ ہیں جو آپ کے ذہن کو appreciate کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے اگر جماعت اسلامی بر سر اقتدار آ جائے تو اس سے ملک کا فائدہ ہو جائے گا۔ وہ مولانا مودودی کو مندرجہ بالا تاثر دیتے تھے اور جواباً مولانا مودودی جماعت کے بیت المال سے ان کی مالی اعانت کرتے، جس کو سعید ملک ناپسند کرتے تھے اور معترض بھی ہوتے تھے[۱۴]۔

سعید ملک نے مولانا کی معروف کتاب خلافت و ملوکیت، کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مولانا یوں تو ملوکیت کے خلاف تھے، جس کو وہ اسلام کے لئے مہلک قرار دیتے تھے مگر اپنی زندگی میں کبھی اپنے ہم عصر مسلم بادشاہوں کے خلاف کچھ نہ لکھا بلکہ اگر کسی بادشاہ نے ان کو انعام دیا تو بخوشی قبول فرما لیا[۱۵]۔ مولانا مودودی کے یہی اضداد زندگی سعید ملک کے لئے بڑے سوالیہ نشان تھے اور جو ان کے مابین

باعث نزاع بنے۔ سعید ملک کی یہی بیباکیاں اور حق گوئی جماعت سے اخراج کا باعث بنی جن حضرات کے خلاف سعید ملک نے خورد برد کے الزامات لگائے تھے ان کا تو کچھ نہ بگڑا بلکہ ان کو اور رفعتیں مل گئیں البتہ سعید ملک جماعت سے خارج کر دئے گئے اور روزنامہ تسنیم' کی ادارت ملک نصراللہ خان عزیز کے حوالے کر دی گئی۔

حوالہ جات

۱۔ انٹرویو مولانا عبدالغفار حسن سابق ممبر مجلس شوریٰ جماعت اسلامی اور سابق امیر جماعت اسلامی

۲۔ وثائق مودودی ' ادارہ معارف اسلامی' منصورہ' لاہور' ۸۴

۳۔ وحید الدین خان' تعبیر کی غلطی' (جماعت اسلامی کا جائزہ)' اعظم گڑھ' انڈیا' ۱۹۶۳ء' ۱۵۶

۴۔ ایضاً' ۱۶۴

☆ مولانا مودودی کے لٹریچر میں دین کی جو تشریح کی گئی ہے اس کے متعلق میرا شدید احساس ہے کہ وہ دین کے صحیح تصور سے ہٹی ہوئی ہے۔ اس تشریح کے اجزائے ترکیبی تو وہی ہیں جو اصلاً اللہ کے دین کے ہیں مگر نئی ترکیب میں اس کا حلیہ اس طرح بگڑ گیا ہے کہ وہ بجائے خود ایک نئی چیز نظر آنے لگا ہے اور دین کی اصل حیثیت اس میں بری طرح مجروح ہو گئی ہے

۵۔ وحید الدین خان' بحوالہ سابقہ' ۴

۶۔ وثائق مودودی ' ۸۳

۷۔ سعید ملک' پاکستان کا مستقبل' لاہور' ۱۹۵۷ء' ۳۷

۸۔ ارشاد احمد حقانی' حرف تمنا' روزنامہ جنگ' راولپنڈی' ۳۱ر اگست ۱۹۹۷ء

۹۔ انٹرویو سعید ملک' مولانا کوثر نیازی اس زمانے میں امیر جماعت اسلامی حلقہ لاہور تھے اور مولانا مودودی کی ناک کا بال بنے ہوئے تھے۔

☆☆ سعید ملک نے یہ کتاب ۱۹۵۶ء میں لکھی تھی جبکہ ابھی جماعت اپنے ابتدائی دور میں

تھی، ان کی دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ انتخابی سیاست میں تطہیر فکر کے بغیر حصہ لیکر جماعت اپنی راہ سے بھٹک جائے گی۔

۱۰۔ سعید ملک، پاکستان کا مستقبل، ۴۵، ۷۷، ۷۹، ۸۱۔۸۳

۱۱۔ ایضاً، ۱۴۳

۱۲۔ ایضاً، ۱۴۹

۱۳۔ انٹرویو، سعید ملک

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ایضاً